© rasailojaraid.com

مذہب کے نام پر دہشت گردی

Magnus Rainstorp

۱۹۶۰ء اور ۱۹۹۰ء کے تیس سال کے عرصے میں عالمی سطح پر مذہبی بنیاد پرست تحریکوں میں تین گنا اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۶۹ء تک مذہبی دہشت گرد گروپ ایک بھی نہ تھا۔ جبکہ اس وقت دنیا بھر میں سرگرم عمل دہشت گرد گروہوں میں ان کی تعداد ایک تہائی ہے اور ان پر اپنے مقابل سیکولر گروپوں کے برعکس مذہب کا نقش گہرا ہے۔ ان کا اپنا ایک مخصوص ماحول ہے اور اس کے زیر اثر یہ روزمرہ کے عملی سیاسی تقاضوں کے مطابق حرکت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عمومی مبصر کے لیے انہیں سیاسی اور مذہبی دائرے میں بانٹنا بہت مشکل ہے۔

اور یہ مشکل سب سے زیادہ مسلمان دہشت گرد گروہوں میں واضح ہے۔ کیونکہ اسلام میں مذہب اور سیاست جدا نہیں ہیں۔ مثلاً لبنان میں حزب اللہ اور فلسطین میں حماص کے گروپ ہیں۔ جن کا نظریاتی دائرہ کار ہے اور جس میں رہتے ہوئے وہ اپنے اپنے علاقوں میں سیاسی کارروائیاں کرتے ہیں۔ ان گروپوں کے پیش نظر فوری مقاصد بھی ہیں اور طویل المدت بھی۔ جیسے اپنے مقید ساتھیوں کی قید و بند سے رہائی اگر فوری مقصد ہے، تو طویل المدت مقاصد میں اسرائیلی قبضے سے اپنے وطن کو آزاد کرانا اور اپنے تمام "اہل ایمان" کو آزادی دلانا پیش نظر ہے۔ صورتحال اس وقت پیچیدہ ہو جاتی ہے، جب دہشت گردی کو ریاستی پشت پناہی حاصل ہو جائے۔ بعض مخصوص مملکتیں اپنی خارجہ پالیسی کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے مذہبی دہشت گرد گروہوں کو سستے اور موثر آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ ان دہشت گرد گروپوں کا ایک قوم پرستانہ علیحدگی کا ایجنڈا بھی ہو سکتا ہے، جس میں مذہبی عنصر بالعموم ثقافتی، سیاسی اور لسانی عوامل کے پیچیدہ ملغوبے میں ملا ہوتا ہے۔

مذہبی انتہا پسند تحریکوں کی افزائش کے ساتھ ۱۹۸۸ء سے دہشت گردی کے مجموعی واقعات میں بھی اضافہ ہوا ہے، جو کہ ۱۹۷۰ء اور جولائی ۱۹۹۵ء کے درمیانی عرصے میں ۶۴۳۱۹ ریکارڈ شدہ واقعات کا نصف سے زائد ہیں۔ اگر یہ بات پیش نظر رہے کہ اس وقت جو گروہ عالمی سطح پر متحرک ہیں، وہ حال ہی میں معرض

Journal of International Affairs Columbia University, N.Y. (گرما ۱۹۹۶ء، جلد ۵۰ شمارہ ۱)

مضمون نگار سکاٹ لینڈ سینٹ اینڈریو یونیورسٹی کے شعبہ انٹرنیشنل ریلیشنز میں لیکچرار اور دہشت گردی اور سیاسی تشدد کے مرکز میں سینئر ریسرچ فیلو ہے۔ وہ کئی کتابوں کا مصنف اور "جنگجو" اسلامی تحریکوں اور مشرق وسطیٰ میں دہشت گردی کے موضوع پر تخصیص کر رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجود میں آئے ہیں، تو مذہبی دہشت گردوں کی تیز رفتار سرگرمیوں پر حیرت نہیں ہوتی۔ ان گروہوں کا واضح اور مکمل تنظیمی ڈھانچہ ہے۔ ان میں سکھ دل خالصہ اور دشمیش (Dashmesh) کی تنظیمیں ہیں، جو بالترتیب ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۴ء میں معرض وجود میں آئیں۔ ۱۹۸۲ء میں لبنان میں حزب اللہ کی تنظیم اور ۱۹۸۷ء میں فلسطینی انتفادہ کے آغاز کے ساتھ حماس اور اسلامی جہاد کی تنظیمیں شامل ہیں۔ جبکہ حالیہ سالوں میں جاپانی تنظیم اوم شنریکو بھی ابھر کر سامنے آئی ہے۔

موجودہ دور کی مذہبی دہشت گردی کا آغاز کسی خلا میں نہیں ہوا۔ سرد جنگ کے بعد کے دور کے عوامل اسے منظر عام پر لے آئے ہیں۔ اس میں نسلی مذہبی تنازعات کی شدت ہے۔ عالمگیریت کے عمل کے تحت ان ثقافتی اور سماجی قوتوں کی کمزوری ہے، جنہوں نے معاشروں کو اندر سے اور انہیں آپس میں جوڑ رکھا تھا۔ پھر اس میں تاریخی ورثہ ہے۔ سیاسی تشدد، معاشی ناہمواری اور مختلف مذہبی انتہا پسند تنظیموں میں سماجی اتار چڑھاؤ کی صورت حال ہے۔ جس کا نتیجہ ان میں روز افزوں کمزوری، عدم استحکام اور حال اور مستقبل کے بارے میں غیر یقینی کیفیت ہے۔

مذہبی دہشت گردی کا موجودہ پیمانے پر اظہار اس بات کا مظہر ہے کہ ان گروہوں کے عقائد اور ان کی آبادیاں تاریخ کے ایک نازک موڑ سے دوچار ہیں۔ یہ گروہ نہ صرف اپنی شناخت کے تحفظ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، بلکہ وہ اس وقت کو اپنے مستقبل کی صورت گری کے لیے ایک بہترین موقع خیال کرتے ہیں۔ مذہبی دہشت گردی کی اس جدید اور مہلک صورت کے احیا کے کئی عوامل ہیں اور مزید کئی ایسے عوامل کی نشاندہی بھی ممکن ہے، جو مختلف علاقوں اور عقائد سے ماورا تمام مذہبی دہشت گرد گروہوں میں شناخت کیے جا سکتے ہیں۔ یہ عوامل اسباب کی نشاندہی، مخالفین کی شناخت اور بذات خود تشدد کے استعمال کے ذرائع، طریقوں اور اوقات کار کے تعین کے انتخاب میں مدد دیتے ہیں۔

۱۹۹۰ء کی دہائی میں بڑے مذہبی دہشت گرد گروہوں کے بارے میں جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں تقریباً تمام ہی اپنے ماحول میں سنگین قسم کے بحران کے احساس سے دوچار ہیں۔ اس کا نتیجہ ان میں تیزی سے بڑھتی تعداد اور ان کی سرگرمیوں میں اضافہ ہے۔ مذہبی دہشت گردوں کے سماجی ماحول میں ذہنی بحران کی یہ کیفیت ہمہ جہتی ہے۔ ایک وقت جبکہ یہ بحران سماجی، سیاسی، معاشی، نفسیاتی اور روحانی ہے، عین اسی وقت سیاسی، معاشی اور سماجی ہلچل کے باعث اس میں شدت سے اضافہ ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ روحانی انتشار اور عالمگیر سطح پر معاشرے میں انتہا پسندی کا رجحان ہے۔ تاہم شناخت اور وجود کے لیے خطرے کی صورت میں یہ احساسِ بحران پوری تاریخ میں مختلف درجات میں موجود رہا اور مختلف مذاہب کے بار بار احیا کا باعث بنتا رہا ہے۔

احیا کے ان ادوار میں اہل ایمان مذہب کو مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں۔ وہ مذہب میں پناہ لیتے ہیں، جو انہیں صدیوں پرانے آئیڈیلز، جس سے وہ اپنے مقاصد کا تعین کرتے ہیں، بہم پہنچاتا ہے۔ مذہب انہیں ظلم و ستم سے جسمانی یا روحانی صورت میں جائے امن کا کام دیتا ہے یا یہ گروپ مذہب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو روزمرہ کی سرگرمی یا سیاسی کارروائی کے لیے ایک بڑے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اپنے اقدامات کو دفاعی اور مزاحمتی نوعیت کا قرار دے کر ان کا دفاع کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر اسلام میں جہاد یقینی طور پر ایک دفاعی اصول ہے، جس کی اجازت سرکردہ مسلمان علماء دیتے ہیں اور جو متصورہ جارح، ظالم و جابر حکمران اور "سرکش مسلمانوں" کے خلاف لڑا جاتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ متشدد صورت وہ ہے، جس کے تحت اسلامی معاشرے کے تشخص کو لٹنے سے بچانے کے لیے اسے لادینیت اور جدیدیت کی قوتوں کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔ لادینیت کا یہ خطرہ، تحریکوں کی اپنی صفوں میں سے ابھر سکتا ہے یا اس ماحول سے، جس سے ان کا واسطہ پڑتا ہے یا بیرونی اثر و نفوذ سے، اگر وہ خارجی ہے۔ اور وہ ان معاشروں سے ان تحریکوں کے اجنبیت کے احساس کو بڑھا دیتا ہے۔ وہ ان میں اس ضرورت کو بڑھاوا دیتا ہے کہ وہ نافذ العمل نظام میں ریڈیکل تبدیلیوں کے ذریعے اپنی مشکلات کا ازالہ کریں۔

جب مذہبی گروپوں کو اپنے معاشروں میں لادینیت کے پھیلنے کا احساس ہوتا ہے، تو وہ بدعنوان سیاسی جماعتوں، حکومت کی قانونی حیثیت یا رواں مذہبی اسٹیبلشمنٹ کے بے ثمر اور مزاحمتی رویہ کے خلاف ردعمل ظاہر کرتے ہیں اور اس کا اظہار پرشور الفاظ اور پرزور انداز میں انہیں مسترد کرنے کی صورت میں کرتے ہیں۔ تاہم مذہبی دہشت گردی کو سیاسی اپوزیشن ایک موثر آلہ کار کے طور پر استعمال کرتی ہے۔

معاشرے کے اندر سے سیکولرائزیشن کے خطرے کے خلاف اظہار ان ناموں سے بھی ہوتا ہے، جنہیں دہشت گرد اپنی تنظیموں کے لیے منتخب کرتے ہیں اور جو بطور علامت اس بات کا اشارہ ہوتے ہیں کہ خدا کی طرف سے عطا کردہ حتمی سچائی صرف انہی کے پاس ہے۔ چنانچہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ گذشتہ دہائی کے دوران دہشت گردوں نے اسی خیال کے تحت اپنی تنظیموں کے نام جیسے حزب اللہ (خدا کی جماعت) اوم شنریکو (بلند بر تر سچائی) اور جند الحق (خدا کے سپاہی) وغیرہ اختیار کیے۔ یہ نام ان کے پیروکاروں اور متوقع نئے ریکروٹوں کی نظروں میں انہیں مذہبی حیثیت، تاریخی سند اور اپنے اقدامات کا جواز فراہم کرتے ہیں۔ یہ نام انہیں اتحاد، مقصد کی سمت اور جنگجوئیت کے درجے کے تعین میں بصیرت عطا کرتے ہیں۔ مثلاً جند اللہ (اللہ کے سپاہی) حماس (جوش و ولولہ) ایال (یہودی جنگجو تنظیم) اور لی گروپ اسلامک آرمی (مسلح اسلامی گروپ، جی آئی اے) وغیرہ ناموں سے گروپوں میں نہ ختم ہونے والے عزم اور قربانی کے جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔

سیکولرائزیشن کا خطرہ غیر ملکی ذرائع سے ہو یا اندرونی عناصر سے، وہ دہشت گردوں کی صفوں میں اشتعال کا باعث بنتا ہے اور انہیں برائیوں کے سرچشموں کے خلاف مدافعانہ جارحیت اور مخاصمانہ طرزِ عمل پر اکساتا ہے۔ ان کے غم و غصے کا رخ بالخصوص مغربی تہذیب اور ان جنگجو مذہبی عقائد کی طرف ہوتا ہے، جو ان کے خیال میں استعماریت اور نئے نو آبادیاتی نظام کے نقیب ہیں۔ مذہبی راہنماؤں کا ظہور اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی موجودگی مدافعتی جذبات کی اساس بنتی ہے اور ان راہنماؤں کے پاس سرگرم کارکن اور جنگجوانہ نظریات اس بڑی تحریک کے مقابلے میں زیادہ ہوتے ہیں، جس سے یہ ٹوٹے یا اس کے آلہ کار کے طور پر الگ ہوئے۔

یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مذکورہ مذہبی راہنما اور شخصیات قوت کے حصول، تنظیمی میکنزم کے استحکام اور دہشت گردوں کے ذریعے لائحۂ عمل اور ذرائع کے تعین کے لیے مرکز گریز قوت کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ راہنما اپنے پیروکاروں کو مذہبی جواز فراہم کرتے ہیں۔ جس سے انہیں اپنے مقدس مقاصد کو موثر اور تیز رفتاری سے حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ نام نہاد روحانی قائدین، جو دہشت گردی کی کارروائیوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے سیاسی اور فوجی سرگرمیوں سے صرف نظر کرتے ہیں، تقریباً تمام ہی دہشت گروپوں میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے حزب اللہ کے شیخ فضل اللہ ہیں۔ حماس کے شیخ یاسین، جنگجو سکھ راہنما سنت بھنڈرانوالہ اور جاپانی تنظیم اوم شنریکو کے شوکو اساہر شامل ہیں۔

زیادہ تر سرگرم دہشت گرد گروپ بعض عقائد یا اہم واقعات کے رد عمل میں ظہور میں آتے ہیں یا ان سے تحریک حاصل کرتے ہیں۔ بعض گروپوں کا وجود اس نظریے کا مرہون منت ہے کہ دنیا کا اختتام قریب ہے اور زبردست تباہی کے بعد عیسائی عقیدے کے مطابق ایک نئے ہزار سالہ دور کا آغاز ہونے والا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں مکہ میں مسجد الحرام پر قبضہ کرنے والے مسلم جنگجو گروپ کو اپنے مہدی کا انتظار تھا۔ لبنان میں حزب اللہ کا قیام خانہ جنگی اور ایران میں اسلامی انقلاب کا مرہون منت ہے۔ تاہم ۱۹۸۲ء میں لبنان کے خلاف اسرائیل کی جارحیت اور اس کے نتیجے میں مغرب کی قیادت میں وہاں کثیر الاقوامی افواج کی مداخلت تھی، جو اصل میں حزب اللہ کے لیے منظم صورت میں ابھرنے کا محرک بنی اور وہ آج بھی اپنی جنگجوئیت اور مذہبی نظریے کی ترویج میں مصروف ہے۔ اسی طرح ۱۹۸۴ء میں گولڈن ٹیمپل پر بھارتی فوج کی چڑھائی نہ صرف مسز اندرا گاندھی کے قتل کا باعث بنی، بلکہ دو متحارب گروپوں کے درمیان غیر مختتم تشدد کے سلسلے کا سبب بھی بن گئی، جس میں ۲۰ ہزار سے زائد افراد کی جانیں ضائع ہوئیں۔

بہت سی صورتیں ایسی ہیں، جن میں مذہبی دہشت گرد اندرونی اور بیرونی لادینیت کے خلاف مکمل مزاحمت کے نقطۂ نظر کے حامی ہیں۔ وہ اپنے تصور کے مطابق حق اور باطل کے درمیان جنگ میں کسی لچک یا سمجھوتے کے قائل نہیں۔ اس پہلو سے یہودی تنظیم کا رخ اور اسلامی حماس تنظیم میں بہت مشابہت ہے۔ دونوں تنظیمیں دریائے اردن کے مغربی کنارے اور بحیرۂ روم کے درمیان ایک مذہبی مملکت کا وژن رکھتی ہیں۔ وہ ہر اجنبی یا سیکولر چیز سے بیزار ہیں۔ اسے تمام علاقے سے نکالنے کی قائل ہیں اور مغربی ثقافت کو سختی سے مسترد کرتی ہیں۔

ان دہشت گرد گروپوں میں علماء اپنے روزمرہ کے خطبات میں گروپ کے اندر اور باہر کے افراد کے درمیان فرق کو تازہ کرتے ہیں۔ علماء کی زبان اور الفاظ پیروکاروں کی واقعیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان کی وفاداری اور گروپ کے ساتھ ان کی سماجی ذمہ داری کو مضبوط بناتے ہیں اور انہیں دی گئی قربانیوں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدوجہد کی سمت یاد دلاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے بہت سے مذہبی دہشت گرد گروپ مذہبی شعائر اور عبادات پر بہت زور دیتے ہیں، تاکہ ان میں مجموعیت کا احساس اجاگر ہو۔ اس مجموعیت کو تقویت دینے کے لیے کسی قسم کا انحراف یا سمجھوتہ غداری کے مترادف خیال کیا جاتا ہے اور مذہبی عقیدے کو چھوڑنے پر موت کی سزا دی جاتی ہے۔

مجموعیت کے احساس کو جدلیاتی اور کائناتی اصطلاحات میں بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے اہل حق بمقابلہ اہل کفر ہے۔ نظم بمقابلہ ہڑبونگ اور انصاف بمقابلہ ناانصافی ہے اور پھر مقصد پر کسی قسم کے سمجھوتے کو مکمل طور پر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ چاہے وہ عظیم تر اسرائیل کا مسئلہ ہو۔ شرعی قوانین کی بنیاد پر اسلامی ریاست کا قیام پیش نظر ہو یا یہ آزاد خالصان ("خالص لوگوں کی سرزمین") کا حصول ہو۔ چنانچہ مذہبی دہشت گرد اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کو بھرپور تصور کرتے ہیں۔ اس تصور کو نتیجتاً تشدد کے درجے اور شدت کے جواز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جنگ کا یہ موضوع دہشت گردوں کی تحریروں اور بیانات میں مسلسل ملتا ہے۔ جیسے اسرائیلی وزیراعظم رابن کے قاتل ییگل عامر کا اپنے فعل کے حق میں جواز تھا یا حماس کے منشور میں دفعہ ۸ ہے۔ جس میں جہاد کو تنظیم کا راستہ بتایا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کی راہ میں موت سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

دہشت گرد گروپوں کی جدوجہد میں معاشرے کے ستم رسیدہ اور پسے ہوئے طبقات کے لیے زیادہ اپیل ہے اور یہ گروہ انہیں ان کے خلاف بے انصافیوں کے ازالے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ جیسے ۱۹۸۵ء میں سکھوں کی طرف سے ائر انڈیا کو بم دھماکے سے اڑانے کا واقعہ ہے، جس میں ۳۲۸ افراد ہلاک ہوئے۔ اسی طرح ۱۹۸۳ء میں حزب اللہ کے دو خودکش سکواڈوں نے امریکی میرین کی بیرکوں اور فرانسیسی ہیڈ کوارٹر کو اڑا دیا، جس میں بالترتیب ۲۴۱ اور ۵۶ سپاہی ہلاک ہوئے۔ تشدد کے واقعات ان گروپوں کو ان کے سائز میں کہیں زیادہ طاقت کا احساس دلاتے ہیں اور گمنامی کی حکمت عملی ان میں طاقت کے احساس کو مزید بڑھا دیتی ہے۔ اس مقصد کے لیے دہشت گرد گروہ دشمن کو کنفیوز کرنے کے لیے مصنوعی نام اختیار کرتے ہیں۔ بالخصوص شیعہ گروپ اپنی سرگرمیوں میں کئی اقسام کے نام استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ان کے عقیدے میں اپنے مقاصد کے لیے "تقیہ" کی اجازت ہے۔

بد قسمتی سے مذہبی دہشت گرد جہاں ظلم و تشدد کی علامات پر ضرب لگاتے ہیں، وہ مہلک اور بلا تخصیص تشدد کے استعمال میں قدرے بے لگام ہوتے ہیں۔ وہ اسے اپنے عقیدے اور گروہ کے دفاع کے لیے حق بجانب قرار دیتے ہیں۔ اپنی جدوجہد کے لیے جدلیاتی نوعیت کے اظہار کے طور پر اپنے مخالفین کو غیر انسانی اصطلاحات سے نوازتے ہیں۔ تاکہ وہ دہشت گردی کے تباہ کن کسی بھی اقدام میں اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔ اس کی مثال ایک انتہا پسند ربی باروخ گولڈسٹائن کا نقطۂ نظر ہے، جس کا اظہار انہوں نے ایک تدفین کے موقع پر کیا: "کوئی فرد جو کسی یہودی کو نقصان پہنچاتا ہے اور کوئی فرد جو کسی غیر یہودی کو نقصان پہنچاتا ہے، ان کے لیے سزا میں فرق ہے ... ایک یہودی کی زندگی کئی غیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہودیوں کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہے"۔

جو اپنے تیئں خود کو اخلاقی لحاظ سے پاک وصاف خیال کریں، وہ اپنے کو "منتخب لوگ" سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ انہیں اپنے متشددانہ اقدامات کے لیے مذہبی جواز حاصل ہے۔

پھر سائز اور جنگجوئیت کے درمیان معکوسی تعلق ہے۔ شیعہ دہشت گرد اپنے سنی ہمعصروں کے مقابلے میں شہادت کے لیے زیادہ آمادہ رہتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کا مختلف تاریخی ورثہ اور خدا اور بندے کے درمیان رابطے میں شیعہ علماء کا زیادہ طاقتور کردار ہے۔ تاہم کچھ سنی گروپوں نے حال ہی میں اپنے سانچے کو توڑا ہے۔ جیسے حماس کے اسرائیل کے اندر ۱۳ خود کشی کے حملے ہیں، جن کے نتیجے میں اپریل ۱۹۹۴ء سے ۴ مارچ ۱۹۹۶ء کے درمیان ۱۳۶ افراد ہلاک ہوئے۔ شیخ فضل اللہ کے الفاظ میں: "بندوق اپنے ہاتھ میں ہوتے ہوئے ہلاک ہونا یا اپنے آپ کو دھماکے سے اڑا دینے میں کوئی فرق نہیں۔ جدوجہد کی صورت حال میں یا مقدس جنگ میں آپ کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بہترین ذرائع کو اختیار کرنا ہوتا ہے"۔

عرب دنیا میں سیاسی جبر اور سماجی و معاشی ابتری کہ تاریخی ورثہ ہے، جو مغرب مخالف جذبات اور اسرائیل کے خلاف مخاصمت کی بنیاد ہے۔ یہ مخاصمت سیکولر نظریات کی ناکامی اور ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کی شکست کے بعد سے سیاسی اور معاشی مراعات یافتہ طبقے کی موجودگی کے خلاف مزید بھڑکی ہے۔ عرب اسرائیل تنازع نے عربوں میں احساس کمتری کو بڑھایا ہے اور ان میں یہ احساس گھرا کیا ہے کہ عرب حکومتیں یا سیکولر فلسطینی اسرائیل کو شکست دینے میں ناکام رہے ہیں۔

اسی کے ساتھ مغرب کے بارے میں یہ تصور بھی ہے کہ وہ اپنے چیلے اسرائیل اور عرب دنیا میں اپنی وفادار "غیر اسلامی" اور "غیر قانونی" حکومتوں کے ذریعے نیا نوآبادیاتی نظام لا رہا ہے۔ چنانچہ اسلامی تحریکیں اور ان کی مسلح "دہشت گرد" شاخیں اپنے آپ کو مظلوم اور پسے ہوئے طبقات کے حقیقی محافظ کے طور پر بتدریج آگے لا رہی ہیں اور وہ مسلمان علاقے کے مرکز میں اسرائیل اور علاقے میں مغرب کی موجودگی اور مداخلت کے خلاف اپنے آپ کو حقیقی قوت کے طور پر پیش کر رہی ہیں۔ مسلم جنگجو، صلیبی جنگوں کے ورثے کو بطور علامت آج کی صورتحال پر فٹ کرتے ہیں اور دشمنوں کے خلاف سیاسی اقدام اور انقلابی تشدد کے لیے اسے آلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

دشمن کی شناخت جہاں ماضی کی تاریخ میں پیوست ہے۔ غیر ملکی دشمنوں کے خلاف مختلف ادوار میں سے گزر کر آگے بڑھی ہے، ان میں سے ایک ۱۹۷۹ء میں ایرانی انقلاب ہے۔ افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جہاد تھا۔ ۹۱-۱۹۹۰ء میں الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی انتخابی کامیابی اور ستمبر ۱۹۹۳ء میں اسرائیلی فلسطینی معاہدہ امن ہے۔

اسرائیل فلسطین مسئلے کے تدریجی حل کے بارے میں اسلامی تحریکوں کی رائے ہے کہ یہ یروشلم کو آزاد کرانے اور پان اسلامک مقصد کو آگے بڑھانے کے ان کے مشن کے لیے خطرہ ہے۔ اس خطرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے احساس کے تحت اسلامی دہشت گرد تحریکوں نے امن معاہدے کو ناکام بنانے کا فیصلہ کیا ہے اور اپنی جنگجوانہ صلاحیت کو بڑھانے اور مغرب، اسرائیل اور ان کی حامی عرب ریاستوں کے خلاف محاذ آرائی کے لیے کوششوں کو مجتمع کیا ہے۔ اس تحریک کی مقامی، علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر تبدیلیوں پر نظر ہے اور وہ مذہبی برادریوں کے تحفظ یا توسیع کے لیے اپنے سیاسی اور فوجی اقدامات کی حکمت عملیوں کو ترتیب نو دینے میں بہت ہوشیار ہیں۔

اس وقت دنیا ایک نئے عالمی نظام کی تلاش میں ہے۔ نسلی اور قومی تنازعات عروج پر ہیں اور غیر یقینی اور ناقابل تعین صورت حال کا پیچیدہ عالمی ماحول ہے، جو بہت سے مذہبی دہشت گرد گروہوں کو وہ موقع اور بارود فراہم کرتا ہے، جس کے توسط سے وہ اپنے مقدس فرض، مقصد اور اختیار کے مطابق دنیا کا نقشہ ترتیب دے سکیں۔ اس پیشن گوئی کے تناظر میں کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے، ضروری ہے کہ عالمی سیاست میں نئی مذہبی قوت کو بطور یک سنگی (Monolithic) قوت سمجھنا ترک کر دیا جائے اور اسے ایک ناگزیر وجود سمجھتے ہوئے اس کی اندرونی منطق کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، جو دہشت گردی کو جنم دیتی ہے۔

اس طریقے سے ہی دہشت گرد گروہوں کے ماخذ اور ان کی طاقت کو ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ فی الحال یہ بات یقینی نہیں کہ امریکہ یا کوئی اور مغربی حکومت اس چیلنج سے نبٹنے کے لیے اچھی طرح تیار ہے۔

© rasailojaraid.com